ماہنامہ اصلاح

MAHNAMA ISLAH

ISSN 2455-636X

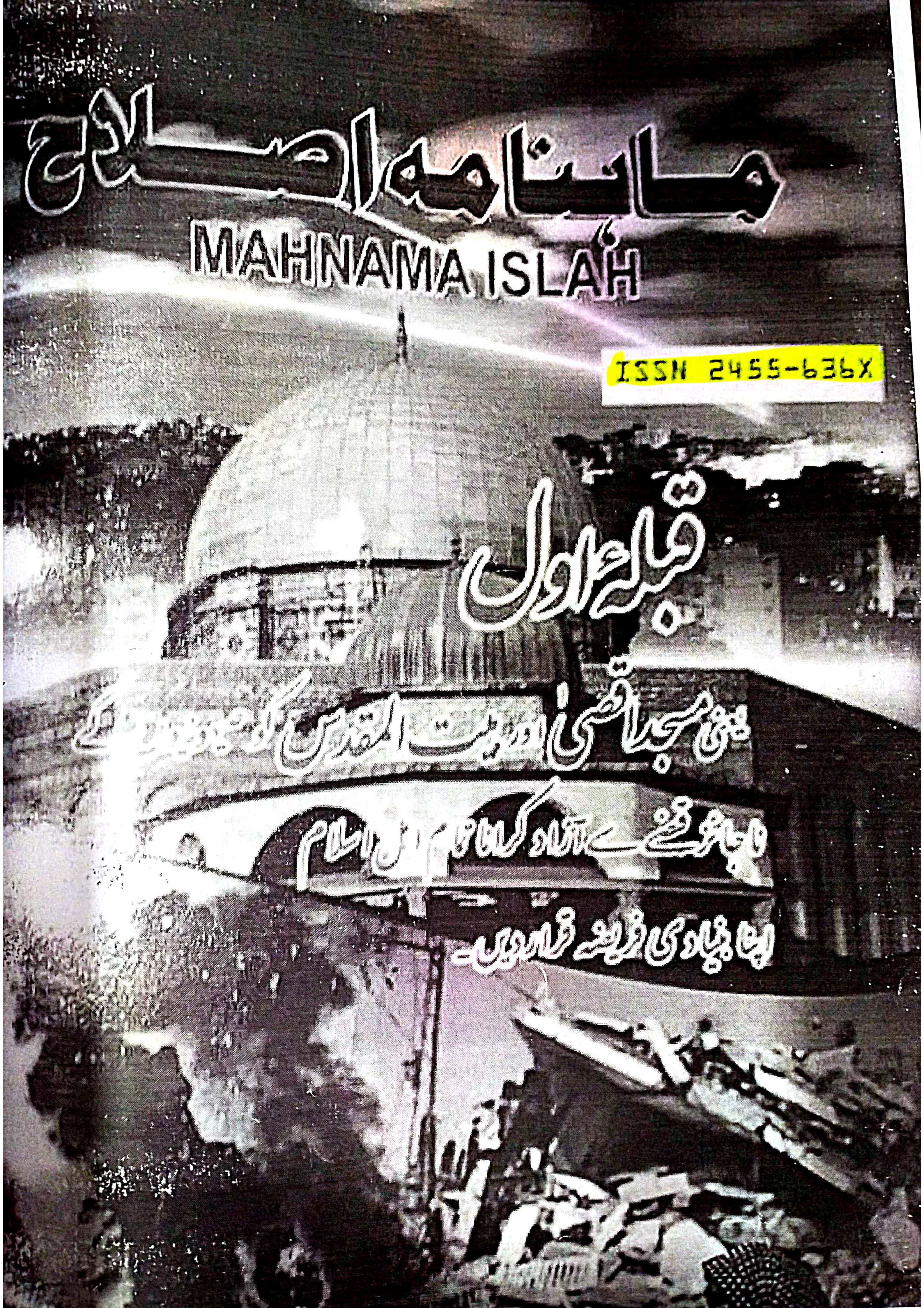

رثائی ادب کا ایک نمائندہ شاعر

عشرت رضوی لکھنوی

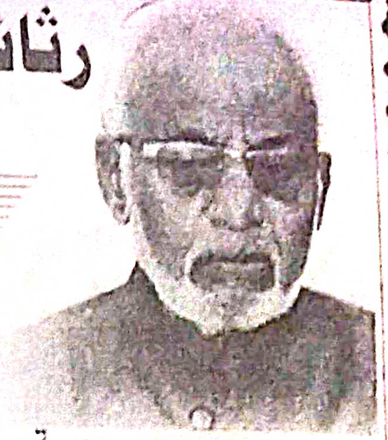

مولانا ڈاکٹر منور حسین صدر الافاضل
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، خواجہ معین الدین چشتی لینگویج یو...
(masnadhusain@gmail.com)

تاریخ ادب اردو اور مختلف تحقیق سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اردو رثائی شاعری بالخصوص مرثیہ نگاری میں صوفیائے کرام نے پہل کی
اور بات ہے کہ انہیں عوامی طور پر شہرت نہیں ملی یا تشہیر نہیں کی گئی۔ ہندوستان میں اردو شعرا نے اہل عرب کی طرح شخصی مرثیے کہے لیکن ارد
کی روایت باضابطہ طور پر شروع اور رائج ہوئی وہ واقعات کربلا امام حسینؑ اور ان کے رفقا کے لیے مخصوص ہوئی۔ مختصر یہ کہ ہندوستانی رثائی اد
مقبول ترین صنف مرثیہ نگاری تو ہے لیکن اس کے ارتقائی دائرے میں سلام، نوحے، رباعی وغیرہ بھی شامل ہیں۔ جس پر شعرائے اردو کثرت
آزمائی کرتے رہے ہیں جو بدستور جاری ہے۔

شہر لکھنو علم و ادب کا قدیم گہوارہ رہا ہے اور یہاں رثائی ادب کی تاریخ بہت قدیم ہے اور یہیں پر رثائی ادب کو عروج ملا ہے۔ اسی شہ
ادب یعنی لکھنو کے رہنے والے لکھنوی تہذیب کے درثہ دار جناب عشرت رضوی لکھنوی نے رثائی ادب میں اپنی منفرد شناخت قائم کی۔ اردو ادب
مشہور محقق جناب شارب ردولوی ان کی شاعری کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''عشرت لکھنوی ان شعرا میں ہیں جنھیں اگر پیرو انیس و دبیر کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔ عشرت لکھنوی انیس و دبیر سے کسب فیض ضرور کر
ہیں لیکن روایتوں کی پاسداری کے باوجود ان کا لہجہ ایک جدید شاعر کا ہے اور یہ بات ان کے چند مرثیوں کے چہرے دیکھنے کے بعد ہی ظاہر ہو
ہے۔ وہ مرثیوں کی ابتدا کبھی عام انسان کی موجودہ حالات سے بے اطمینانی سے کرتے ہیں اور کبھی موجودہ آزادی کے غلط استعمال اور آزادی
غلط تصور سے کرتے ہیں اور کبھی بارگاہ پروردگار میں دعا کرتے ہیں۔ ہمارے کلاسکی شعرا نے بھی مرثیوں کی ابتدا دعائیہ فخریہ اشعار سے کی ہے لیک
عشرت لکھنوی اس میں نہ مبالغے سے کام لیتے ہیں اور نہ تعلی سے بلکہ ان کی انکساری ان کے اشعار میں نمایاں رہتی ہے۔ عشرت لکھنوی نے ان کے
مرثیوں میں بھی لطف شعر و مآل مرثیہ کا خیال رکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ دبستان لکھنو میں آج جن مرثیہ گویوں نے اپنی شناخت پیدا کی ہے ان میں
عشرت لکھنوی کا نام بھی شامل ہے''۔

عشرت رضوی لکھنوی کا اصل نام سید کاظم حسین اور تخلص عشرت تھا۔ آپ ۱۵ اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ کو شیش محل لکھنو کے ایک مہذب گھرانے میں پیدا
ہوئے اور آپ کے والد سید افضل حسین کیفی رضوی مرحوم ایک کہنہ مشق شاعر اور فن خطابی میں منفرد تھے اور اسی طرح ان کے دادا میر مہدی حسین اور
سید نادر حسین کا شمار اپنے زمانے کے بہترین سوزخوانوں میں ہوتا تھا۔ آپ کی تعلیم کا آغاز نور الاسلام اسکول چمن والی کوٹھی شیش محل سے ہوا اور
ابتدائی دور سے ہی آپ کے والد نے آپ کے رجحان کو دیکھتے ہوئے سلطان المدارس میں داخل کر دیا لیکن سلطان المدارس سے زیادہ وابستگی نہ رہ
اور صرف درجہ چہارم تک وہاں تعلیم حاصل کی اور پھر اسلامیہ انٹر کالج میں ہائر سکنڈری تک تعلیم کا سلسلہ برقرار رہا اور خود عشرت لکھنوی کے بقول ''
ناگفتہ بہ حالات کی وجہ سے تعلیم کا یہ سلسلہ یہیں پر ختم ہو گیا لیکن سلطانیہ میں اس وقت جو معیار تعلیم تھا اس نے درجہ چہارم تک ہی سہی مگر مجھے وہ دو...
عطا کی جس سے میں آج بھی استفادہ کر رہا ہوں: ہائے وہ کیا دور تھا جو ختم عشرت ہو گیا'' (اشکوں کے ...

جب عشرت لکھنوی دس گیارہ سال کے تھے تب ہی سے ان کی شاعری کی داغ بیل پڑ چکی تھی جیسا کہ وہ خود ہی اپنی شاعری کے آغاز کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں کہ ”میری شاعری کی داغ بیل اس وقت پڑی جب میرے گھر کے باہری کمرے میں مسلسل نشستوں کا دور تھا والد محترم جناب سید افضل حسین صاحب کیفی الرضوی اور ان کے بچپن کے دوست حضرت انور نواب انور صاحب کی مستقل بیٹھک اور گاہ بہ گاہ حضرت تکمیل رضوی، جناب عمر انصاری، جناب مطرب سلطانپوری، جناب میکش لکھنوی، جناب وحشی جونپوری، جناب جودت دکنی، جناب نصیر ناطقی، جناب نوا بوٹن اور والد محترم کے خاص دوست جناب خواجہ صاحب وغیرہ جب تشریف لاتے تھے تو شاعری کا بازار گرم ہو جاتا تھا۔ اس وقت میری عمر تقریباً دس گیارہ سال کی تھی۔ ان حضرات کے آنے پر مستقل چائے پانی کی خدمت انجام دیتا تھا اور جب وقت ملتا تو وہیں بیٹھ جاتا تھا رفتہ رفتہ میرے ذہن میں بھی دی ہوئی طرحیں ابھرنے لگے جن کا میں عادی ہو چکا تھا اور اس طرح میں باقاعدہ شاعری کی دنیا میں آگیا“ (اشکوں کی زباں، ص۱۰ و ۱۱)۔

عشرت لکھنوی نے اصناف سخن میں غزل، قصائد، سلام، نوحے، رباعی، قطعہ تاریخ وغیرہ پر طبع آزمائی کی ہے لیکن ان کی خاص دلچسپی کا مرکز مرثیہ گوئی رہا ہے اور سنہ ۱۹۹۲ سے باقاعدہ طور سے انھوں نے جو مرثیہ گوئی کا آغاز کیا تھا اس کا سلسلہ عمر کی آخری منزل تک قائم رہا۔ جہاں تک عشرت لکھنوی کی تصانیف اور شعری مجموعوں کی بات ہے تو یہاں پر یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ ان کے مراثی کے دو مجموعے ”اشکوں کی زباں“ اور ”فرات غم“ منظر عام پر آ کر قبولیت عام حاصل کر چکے ہیں۔ اشکوں کی زباں میں دس مرثیے شامل ہیں اور فرات غم میں بھی دس مرثیے شامل ہیں۔ عشرت نے ”فرات غم“ کا سرنامہ جس مرثیہ کو بنایا ہے اس کا عنوان ”نماز اور حسینؑ“ ہے۔ انھوں نے اس مرثیہ میں نماز کی اہمیت و افادیت کو بڑے پر اثر انداز میں بیان کیا ہے اور نماز کی عظمت پر گفتگو کرنے کے بعد نوجوانوں کو نماز کی طرف راغب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

شیعہ اگر ہو تم تو عمل شاندار ہو — دنیا نہ یہ کہے کہ فقط سوگوار ہو
مسجد بھی خوش ہو اور عزا بھی نثار ہو — فرش عزا پہ عابد شب زندہ دار ہو
ماتم کے ساتھ ساتھ نمازیں ادا کرو
سرورؑ کا غم ملا ہے تو شکر خدا کرو

اسی مرثیے میں وہ ایک جگہ فیصلہ کن لہجے میں نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سجدے میں گر خلوص سے سر کو جھکائے گا — یہ ماتم حسینؑ جبھی کام آئے گا

رثائی ادب کی اصناف نوحہ و سلام کے حوالے سے ان کا پہلا مجموعہ ”گلزار پنجتن“ کے نام سے شائع ہوا جس میں سلام و نوحے شامل تھے اور پھر نوحوں کا ایک مجموعہ ”تسبیح عزا“ بھی منظر عام پر آیا جس میں ان کے سو نوحے شامل ہیں۔ سلام و رباعیات کا ایک مجموعہ ”چہرہ عزا“ اور قصائد و رباعیات کا دوسرا مجموعہ ”نقطہ ادب“ کے نام سے منظر عام پر آ کر داد تحسین لے چکے ہیں۔

عشرت لکھنوی زبان و بیان سے بخوبی واقفیت رکھتے ہیں جس کی جھلک ان کی شاعری میں دکھائی دیتی ہے۔ جناب مرزا شفیق حسین شفق فرات غم کے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں کہ ”عشرت رضوی فی زمانہ دبستان لکھنؤ کے ان شعرا میں ہیں جنھوں نے اس دبستان کی عظمت کو قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ عشرت رضوی جہاں آتش کی طرح مرصع سازی کے فن سے بخوبی واقف ہیں وہیں زبان کے معاملے میں ناسخ کی طرح نکتہ گیر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں شوکت الفاظ کے ساتھ ندرت خیال بھی نقطہ کمال پر ہے“ (فرات غم، ص۱۱)۔

عشرت لکھنوی نے جن موضوعات کو اپنے مراثی کے لیے منتخب کیا ان میں اتحاد، حقوق والدین، جھوٹ، امن و دوستی، نماز، شراب خوری، تصور آزادی خاص ہیں۔ انھوں نے اپنے مراثی کے ذریعہ اصلاح قوم کا فریضہ ادا کرنے کی بخوبی کوشش کی ہے۔ اور مرثیہ کو زندگی اور زندگی کو

مرثیہ کے قریب لا کر معاشرتی زندگی کی حقیقی ترجمانی کی ہے اور ان کے مرثیے موضوع کے ساتھ ساتھ فنی لحاظ سے بھی قابل توجہ ہیں۔ لکھنوی کی اردو
کی زبان اور محاورے ان کی شاعری کی جان ہیں۔ ان کے مرثیے کے بعض اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

بدلا ہوا زمانے کا جامہ ہے آج کل ۔۔۔ بے حرف حق حیات کا نامہ ہے آج کل
باطل پرست ہاتھوں میں خامہ ہے آج کل ۔۔۔ ہر آدمی کے سر پر عمامہ ہے آج کل
جو صاحبان علم ہیں گوشہ نشین ہیں
محراب روشنی میں اندھیرے مکین ہیں

طلوع ہو تو گیا آفتاب آزادی ۔۔۔ مشاہدے میں مگر حریت ہے فریادی
جو چیز حد سے گزر جائے ہے وہ بربادی ۔۔۔ گراں جو شہروں پہ ہو وہ نہیں ہے آبادی
بشر کی فکر تو آزاد ہے ضمیر نہیں
گرہ میں مال ہے لیکن کوئی امیر نہیں

لہولہان ہے چہرہ عرق عرق ہے جبیں ۔۔۔ نفاق و کفر کے شعلے اگل رہی ہے زمیں
مکان چھوڑ کے باہر نکل رہے ہیں مکیں ۔۔۔ اب آدمی کو خود اپنے پہ اعتبار نہیں
خرد کو وقت نے لا کر کہاں پہ چھوڑ دیا
جنوں نے پنجہ انسانیت مروڑ دیا

نام بھی لینے کو اب باقی نہیں ہے اتحاد ۔۔۔ جنبش ہر نطق سے آتی ہے آواز فساد
میرے مالک جز ترے کس پر کریں ہم اعتماد ۔۔۔ بن گیا ہے شمر کوئی اور کوئی ابن زیاد
حق سے پھر باطل کا لشکر برسر پیکار ہے
پھر کوئی شبیر سا اس دور کو درکار ہے

ان کے مرثیے کی طرح ان کے سلام، نوحے، قصائد اور رباعیات میں بھی وہی پختگی اور وہی سلاست و روانی اور زبان و بیان کا سلیقہ نظر آتا ہے جو انھیں ایک کہنہ مشق شاعر کی صف میں لا کر کھڑا کر دیتا ہے۔ ان کے نوحوں کے منتخب اشعار ناظرین کی خدمت میں پیش ہیں:

سوکھے گلے پہ بھائی کے چلتی رہی چھری ۔۔۔ مجبور اس قدر تھی کہ میں دیکھتی رہی
مادر کی تسلی کا بھی تھا سامان لیے مسلمان ۔۔۔ جب لوٹا گیا اصغر معصوم کا جھولا عاشور کا دن تھا
کہہ کے عشرت یہ سکینہ نے کیا سب کو سلام ۔۔۔ ہم کو لینے کے لیے آگئے بابا بھائی
شبیر تو لاشوں پہ اٹھاتے رہے لاشے ۔۔۔ اے رات کی ہواؤں کیوں شور کر رہی ہو
آیا نہ اٹھانے کوئی سرور کا جنازہ ۔۔۔ دیکھو ہماری بچی تربت میں سو رہی ہے

لکھنوی تہذیب کا ورثہ دار، غریب پرور، علم دوست، حق گو، بیباک شاعر اور پیغامات قرآن و اہلبیت علیہم السلام کو اپنے اشعار کے ذریعہ لوگوں کے دلوں تک پہنچانے والے شاعر اہل بیت جناب عشرت رضوی لکھنوی نے ۱۹ اپریل سنہ ۲۰۲۱ کو داعی اجل کو لبیک کہا:

سلطان امم مجھ سے بہت شاد رہیں گے
مرجاؤں گا میں مرثیے آباد رہیں گے

☆......☆......☆

ISSN No.2455-636X